



500

513

5000022

5000

5001

50

51

---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

Ace No.

660

# صدائے حق

مولفہ اور مرتبہ

حسین خاں بادشاہ

ایوارڈ یافتہ صدر جمہوریہ ہند  
کلاوی۔ ضلع نیلور۔ (کے پی)

۱۰	ایلا
۱۱	کنڈ
۱۲	مف
۱۳	در
۱۴	کر

خاتر

مکتبہ نور۔ مسلم پورہ۔ کلاوی۔ ۵۲۲۲۰۱ ضلع نیلور۔ (کے پی)

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

صدائے حق

نام کتاب :-

حسین خاں

نام مؤلف :-

اول

بار :-

۷۸۶

تعداد :-

حافظ محبوب الرحمن قاسمی، جنوری۔

خواہش نویس :-

وائے پریس حیدر آباد

طباعت :-

قیمت :-

(ملنے کے پتے :-)

ظفر بکٹ پو۔ پتھری مٹہ 49.64، 10۔41، کاؤلی 5242

رحیمہ بکٹ پو۔ لالہ پیٹ۔ انجمن بلڈنگ گنٹور۔ 522003

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی۔ 110006

گوہر بکٹ پو۔ 322 قائم ملت اتنی روڈ مدراس۔ 600005

نند پور بکٹ پو۔ 323

ابواسٹور۔ بک سیلر۔ شاہ بازار۔ محبوب نگر۔ 509001

یم۔ بن۔ جنرل اسٹور۔ احمدی بازار۔ نظام آباد۔ 503001

ریلاکس بک سیلر۔ منڈی بازار۔ درنگل۔ 504012

امام مدینہ مسجد۔ دھرمادرم۔ 51.671

سیکٹر پو۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی چھتہ بازار حیدر آباد۔ 500002

دفتر مجلس علمیہ۔ محبوب بازار۔ چادر گھاٹ۔ حیدر آباد۔ 300024

ہمالیہ بک سیلر۔ سٹریٹ بیوٹر۔ ایم جے روڈ۔ حیدر آباد۔ 500001

جاوید جنرل اسٹور۔ بس اسٹانڈ روڈ۔ بھیم۔ 317001

ضیاء برسر۔ کمرنول۔ 518533

یونیورسٹی بک اسٹال۔ محبوب پورک حیدر آباد۔ 500002



# حسن ترتیب صدائے حق

صفحہ	مضامین	شمار	صفحہ	مضامین	شمار
۳۵	دو گز زمین	۱۸	۵	سخن اولین	۱
۲۷	حکومت اور دولت	۱۹	۷	مقدمہ	۲
	ایک فریب		۱۰	تقریب	۳
۲۹	یہ بے نشان قبریں	۲۰	۱۱	نہ ہی رہنما	۴
"	اسے سفاک	۲۱	۱۲	ہیرا اور پتھر	۵
	سرایہ دار		۱۵	حیرت انگیز مشین	۶
۳۱	میں خدا ہوں	۲۲	۱۶	سر بلندی کا باز	۷
۳۲	سکون کسی کو	۲۳		عبادت فائدہ اور	۸
	حاصل نہیں		۷	تھما رخانہ	
۳۳	یہ کس کی بستی ہے؟	۲۴	۱۸	عروج اور زوال	۹
۳۴	فدائی قوت	۲۵	۱۹	ایک غیبی آواز	۱۰
	کا دعویٰ دار		۲۰	کنول کا درس	۱۱
۳۵	دنیا کے حسین جبرے	۲۶	"	مضغہ گوشت	۱۲
۳۶	ایک پیری پتھر مغنیہ	۲۷	۲۱	درس عبرت	۱۳
	نقصیت آموز	۲۸	۲۲	گردوار میں تبدیلی	۱۴
۳۸	احکامات		۲۳	سکون کی تلاش	۱۵
۴۲	باب اور دروازے	۲۹	۲۴	دولت کی حقیقت	۱۶
۴۳	انسان اور کتا	۳۰	۲۵	جبر و جہد	۱۷

صفحہ	مضامین	شمار
۳۴	رومانی سر بلندی	۳۱
۳۵	حقیقی لکھاؤ	۳۲
۳۶	عبرت انگیز نظارہ	۳۳
۳۷	زندگی ایک سراسیمہ	۳۴
۳۹	بھٹے اور برے کی پہچان	۳۵
۵۰	عبرت کا نشان	۳۶
۵۲	پھول اور کاسٹے	۳۷
۵۳	درخت سے ایک سبق	۳۸
۵۵	پتھر کا غرور	۳۹
۵۷	غریبوں کی دولت	۴۰
۵۸	فکر معاش	۴۱
۱۱	اچھا سماج	۴۲
۶۰	انسان کی اصلیت	۴۳



بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سخن اولیں

الحمد للہ وکفہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰ

اقابلہ

یہ چھوٹی سی کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے جس میں  
یسے ناصحانہ اور اخلاقی مضامین موجود ہیں جن کا ہر ٹکڑا قلب  
سے بلند ہونے والی ایسی آواز ہے، جو دل کو گہرائی اور روح کو  
سیداکرتی ہے اور آنکھوں کے سامنے سے تاریکی کے پردے  
ٹھا دیتی ہے۔

درحقیقت یہ مضامین نہیں بلکہ حساس قلب کے ٹکڑے  
ہیں جو کاغذ پر بکھرے پڑے ہیں۔ ان ٹکڑوں میں سے ہر ٹکڑے  
میں ایک قدس حقیقت پوشیدہ ہے۔ لیکن ان سے وہی صاحب  
دل، کیف حاصل کر سکتے ہیں جن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں۔  
معصیت کے ملوفان ہیں، بہ جانے والے اور نفس پرستی  
کے سیلاب میں ڈوب جانے والے انسانوں کا کیا انجام ہوگا  
جان کر، ان سے درس عبرت حاصل کرنے کیلئے نہایت ہی  
کار آمد اور بیش بہا مضامین کا مجموعہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ ان اخلاقی شذرات کو ہمارے قارئین  
نہایت پسندیدہ اور قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور ان  
کو اپنی زندگی میں اپنانے کی سعی کرینگے خصوصاً نو نھلان چمن کیلئے

تو یہ نصائح سے بھرا ہوا عبرت آموز مجموعہ یقیناً ایک گلدستہ  
کا کام دے گا۔

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ حقیر سی کوشش عوام کی  
اصلاح اور ہماری آخرت کی نجات کا وسیلہ بنے۔  
آمین یا رب العالمین

السلام علی من التبع الهدی

احقر  
حسین خان عفی عنہ  
۱ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ

کاؤلی: مسلم پورہ  
مورخہ: ۵۲۳، ۵۲۴ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مقدمہ

ڈاکٹر سید صفی اللہ ریڈر، شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی  
ممبر اکیڈمک کونسل و ممبر سینٹ، مدراس یونیورسٹی

اس اردو دنیا میں الحاج بی حسین خاں صاحب کی شخصیت  
محتاج تعارف نہیں ہے۔ چھوٹی بڑی محم و بیش سترہ کتابوں کے  
مصنف ہیں اور ان کی کچھ کتابیں تلگو زبان میں بھی ترجمہ ہو کر  
قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ اس سے ان تصانیف کی  
قدیم قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی یہ تمام کتابیں بچوں کے  
ادب میں صحت منداضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور طلبہ کی ضرورتوں  
کے پیش نظر اور ان کی فلاح و بہبود کی خاطر لکھی گئی ہیں۔ اسکی  
ایک بات سے ہم سوچ سکتے ہیں کہ طلبہ کے امتحان کے دل میں  
کتنا درد اور کتنی محبت ہے۔ بالکل اردو ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کا  
یہ کلیہ کہ کسی مصنف کے اخلاق و عادات کا پتہ اس کی تصانیف  
سے کیا جاسکتا ہے۔ جناب حسین خاں پر پوری طرح صادق آتا ہے۔  
حسین خاں صاحب ایک ایسے استاد ہیں جن کے پاس اپنا پیشہ  
سر دوسری چیز کے مقابلے میں افضل و برتر رہا ہے۔ ملت کے  
نوجوانوں سے ان کی انتہائی محبت اور ان کے مستقبل کی فکر ہی

ہے جس نے ان سے مشعل راہ، نقوش راہ، نایاب جواہر اور ازخبت کے چراغ جیسی کتابیں لکھوائیں۔ جو سبق آموز واقعات اور کارِ اُحد انشائیوں پر مشتمل ہیں۔

انھیں جتنی فکر و نہالان قوم کی ہے اتنی ہی زبان و ادب کی تعلیم و تدریس کی بھی ہے۔ اس کا ثبوت ان کی حلیۃ القواعد ہے۔ آج کل جس بہتات کے ساتھ زبان و بیان کی غلطیاں طلبہ میں نظر آ رہی ہیں اس کی ایک وجہ قواعد سے ان کی ناواقفیت اور عدم دلچسپی ہے۔ زبانہ و انازہ سے اردو قواعد کے لئے ابتدائی درجوں سے لے کر اعلیٰ درجوں تک مولوی عبدالحق صاحب کی لکھی ہوئی ایک ہی کتاب نصاب میں چلی آ رہی ہے۔ اصل کتاب تو کافی ضخیم ہے اس کا جو مختص ہے وہ بھی اس ضخیم جلد کی پہچ پر ہے جو آج سے کم و بیش پچاس سال پیشتر لکھی گئی تھی۔ لہذا اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ بدیلے ہوئے حالات اور جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اردو قواعد کو از سر نو ترتیب دیا جائے۔ حسین خاں صاحب کی کتاب حلیۃ القواعد اس سمت میں ایک ہلکی سی کوشش ہے۔ بظاہر ایک چھوٹی سی کتاب ہے لیکن افادیت کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ یہی تو اس نے کم مدت میں جنوبی ہند کے تمام اضلاع میں اپنی مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔

پیش نظر کتاب صدائے حق بھی قوم کے نو بہاولوں سے لے کر جذبہ محبت کا ثبوت ہے۔ چھوٹے چھوٹے نصیحت آموز مضامین

کایہ گلدستہ یقیناً ناقابل ہے کہ اسے اخلاقی تعلیم کی گھنٹیوں میں  
 بچھا یا جائے۔ موجودہ سیکور نظام تعلیم کے اندر اخلاقی تعلیم کی  
 گھنٹیوں میں مذہبی کتابوں سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ اور ایسی  
 کتابیں جو اس مقصد کے لئے استعمال کی جاسکیں آمدہ جو مذہبی رنگ  
 سے آزاد ہوں اردو میں قریب قریب ناپید ہیں۔ ان حالات میں  
 جناب حسین خاں صاحب کی اس کتاب کو نعمت غیر مترقبہ سمجھنا  
 چاہئے۔ یہ اور اس سے پہلے بھی ہوئی ان کی کچھ کتابیں اس راہ  
 میں بڑی کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔  
 مجھے امید ہے کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

صفی اللہ  
 (سید صفی اللہ)

عبداس یونیورسٹی  
 ۲۵ مارچ ۱۹۳۷ء



# تقریفاً

محترم مولانا سید اکبر صاحب حیدر آبادی  
مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ بھونگیر - آندھرا پردیش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ تعالیٰ۔ میں نے جناب بی حسین خان صاحب کی جدید  
تالیف بنام ”صدائے حق“ اذابتا انا انتہادیکھی۔ مختصر اور جامع  
عنوانات کے تحت عبرت آموز واقعات و نصائح سے بھرپور مختصر  
مختصر مضامین کا انتخاب جو بڑا جواب اور دلچسپ ہے۔ پڑھنے والوں  
کے ذہن نشین کرنے اور اس سے نتائج نکالنے میں اور اس  
پر عمل پیرا ہونے میں بڑی ہولت ہے۔ صدائے تعالیٰ مولف کی  
اس مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر اس کے افادہ اور استفادہ کو  
عام فرمائے۔ آمین۔

سید اکبر حیدر آبادی غفرلہ  
مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ بھونگیر  
۲۴ شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق  
۲۹ فروری ۱۹۹۲ء

دفتر مجلس علمیہ  
29-2-92

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مذہبی رہنما

مذہبی رہنما ایک بڑے مجمع کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ لوگ اس کی باتیں ایسی عقیدت کے ساتھ سن رہے تھے، جیسے وہ صحیفہ آسمانی کا ترجمان ہو۔

مذہبی رہنما حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ۔

”اے دنیا کے پرستارو اگر ابدی زندگی چاہتے ہو تو دنیا اور دنیا کے جھگڑوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھو۔

کیونکہ جب کوئی انسان دنیا میں پھنس جاتا ہے تو وہ اس حقیقی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے جو انسان کو ابدی راحتوں کی طرف لے جاتی ہے۔

رہنما پورے جوش و خروش کے ساتھ تقریر کرتا رہا اور تقریر کے خاتمے پر اس نے مجمع کو نصیحت کی کہ۔

”دنیا ایک لغت ہے اسے چھوڑ دو تا کہ تم کو روحانی اور

ابدی مسرتیں حاصل ہو سکیں۔“

ایک غریب عورت جو اسی مجمع میں بیٹھی تھی اس نے آگے بڑھ کر رہنما کے قدم چومے اور اپنے دبلے پتلے کمزور ذہن پر کورہنما کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔

”اے مقدس رہنما میری دنیا یہ چھوٹا سا بچہ ہے میں

اسے کیونکر چھوڑ سکتی ہوں۔ کیا اسے دنیا میں ٹھوکر دیں

کھانے کیلئے چھوڑ دینا بدترین گناہ نہیں۔

اس کے بعد ایک نوجوان اٹھا اور اس نے رہنما سے کہا کہ:

اے مقدس رہنما میری مال اندھی ہے میں دلہا بھر

مزدوری کرتا ہوں اور باقی دولت اپنی بوڑھی اور معذور

والہ کی خدمت میں گزارتا ہوں۔ کیا اس بے بس کو تنہا

چھوڑ دینا ظلم نہیں۔

ایک ادھیر ٹھہرا اٹھا اور اس نے کہا:

میرا باپ اپا بچ ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے چار

معصوم بچے ہیں۔ میرا ستر و قنات ان ہی کی خدمت گزاری

اور فکر معاش میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اگر میں ان کی

دیکھ بھال نہ کروں تو یہ کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ مے مذہبی

بہنما کیا ان کو بے سہارا چھوڑ دینا بنی نوع انسان پر ظلم

نہیں ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی خدمت ہی سب

سے بڑی مذہبی اور اخلاقی خدمت ہے۔

ایک دنیا دار جو مجمع میں بیٹھا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس

سے خاموش نہ رہا گیا اور اس نے مذہبی رہنما سے مخاطب ہوتے

ہوئے کہا:

”اے مذہبی رہنما عبادت بلاشبہ ایک اچھی چیز

ہے اور فرض ہے۔ لیکن اس کے ساتھ دوسرا بھی بڑا سکر

فرض مخلوق خدا کی خدمت ہے۔

دنیا دار نے مجمع کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

”اے خدا کے بندو! ابدی راحت صرف ان کیلئے مخصوص نہیں ہے جو مسجدوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور جو عبادت خانوں میں زندگیاں گزار رہے ہیں، بلکہ ابدی راحت ان کے لئے بھی ہے، جو قوم، ملک اور انسانے وطن کے لئے

قربانیاں دے رہے ہیں۔“  
 ”نابہ تنگ نظر سمجھتا ہے کہ محض تسبیح کے دانوں کو حرکت دینے سے ابدی راحت مل سکتی ہے، لیکن حقیقت شناس آنکھ کہتی ہے کہ ابدی زندگی انکھلتے بھی ہے جن کی زندگیاں بنی نوع انسان کی خدمت کیلئے وقف ہیں۔ ابدی راحت ان کے لئے ہے جو دکھے ہوئے دلوں پر رحم رکھتے ہیں، جو نوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتے ہیں اور جو بے کسوں اور مجبوروں کیلئے سہارا بنتے ہیں۔“  
 دنیا جا رہا تقریر کرتے کرتے جوش میں آگیا اور اس نے پرجوش الفاظ میں کہا:-

”اے مذہبی رہنما لوگوں کو صرف خانقاہوں اور عبادت خانوں میں بیٹھنے کی تعلیم دے، بلکہ ان کو خانقاہوں سے نکال کر باہر لانا اور اس قابل بنانا کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کر سکیں تاکہ وہ دین کیساتھ دنیا کو بھی سزا دے سکیں۔ کیونکہ یہی حقیقی عبادت ہے۔ یہی سچی ریاضت ہے۔ اور یہی انسانی زندگی کا وہ اعلیٰ معیار ہے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔“

۵ مصلحت در دین عیسیٰ علیہ کوہ  
 مصلحت در دین ماجنگ و شکوہ (علامہ اقبال)  
 (مفتی شوکت علی فہمی)

## ہیرا اور پتھر

زمین کی تر میں رنگ رنگ کے پتھروں کا انبار دبا ہوا ہے۔ ان پتھروں میں ایسے ناکارہ پتھر بھی ہیں جنہیں کوئی دیکھ کر بھی نہیں پوچھتا، اور ایسے قیمتی پتھر بھی ہیں جن کو جواہرات کہا جاتا ہے اور جن کی قیمت لاکھوں روپے ہیں۔

قدرت کی کرشمہ سازی عجیب ہے وہ اکی زمین سے جواہرات بھی پیدا کرتی ہے اور ناکارہ پتھر بھی گنہ گاروں میں کتنا فرق ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک غیبی آواز نے کہا۔

”اے نابجھ انسان تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ہیرے اور پتھر کی اصل اور ابتدا ایک ہی ہے۔ دونوں زمین کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں، مگر جو کند اور پتھر آفتاب کی نورانی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ جواہرات بن جاتے ہیں اور جو اس صلاحیت سے محروم ہیں وہ پتھر کے پتھر ہی رہ جاتے ہیں۔

پھر اس غیبی آواز نے کہا۔

”ہاں لکڑی بھی حالت انسان کی بھی ہے۔ چنانچہ جو انسان اپنے دل و دماغ کو روشن کر لیتے ہیں وہ مسیح معنوں میں انسان بن جاتے ہیں اور جو اس سے محروم رہ جاتے ہیں وہ انسان کھٹائے کے باوجود جانور ہی رہتے ہیں۔ قدرت نے انسان کو بڑی صلاحیت



عطا کی ہے۔ اگر وہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو میرا بن جاتا ہے۔ ورنہ پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔ اگر یہ سنگ و جہر و دونوں کانوں سے نکلتے ہیں مگر قیمت میں ان کی اتھائی رزق ہوتا ہے۔  
(دین و دنیا)

## حیرت انگیز مشین

انسانی دماغ قوت کا وہ حیرت انگیز خزانہ ہے جو فطری طور پر سر آدمی کو ملا ہے۔ وہ کسب اور جستجو کے بغیر ہی فطری طور پر ہر ایک کے حصے میں آیا ہے۔ اس خزانے کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص مفلس و کنگال ہو سکتا ہے اور نہ دوسروں سے کمزور، خواہ ظاہری سامان کے اعتبار سے وہ کتنا ہی زیادہ مفلس اور کمزور دکھائی دیتا ہو۔ دماغ کی صورت میں سب سے زیادہ قوی مشین آپ کے پاس موجود ہے، یا ایسی حیرت انگیز مشین ہے جس کی مثال ساری کائنات میں آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ دے دے زمین پر رہنے والی جتنی بھی مشینیں ہیں وہ سب اس کی مرہون ہست ہیں۔ اس حیرت انگیز مشین پر آنے کو آپ استعمال کیجئے اور اس کے اندر پوشیدہ رہنے والے امکانات کو بروئے کار لانے کی سعی کیجئے، اور پھر کبھی آپ کو ناکامی کا نہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور کبھی شکایت نہ ہوگی۔ کسی بھی شخص سے اس دنیا میں فتح و کامرانی حاصل کی ہے تو وہ اسی دماغی لائقہ کا استعمال کر کے ہی حاصل کی ہے۔ قدرت

کی دی ہوئی یہ عظیم قوت آپ کے پاس موجود ہے۔ اس کو آپ کام میں لائے۔ اور اس سے فائدہ حاصل کیجئے۔ ناکامی آپ کے قریب تبھی نہیں بھٹکے گی۔

کامیابی کی ہر بلندی اس انتظار میں ہے کہ آپ وہاں پہنچیں اور اپنے آپ کو اس کے اوپر کھڑا کر دیں۔ پھر مایوسی کیوں؟ اور شکایت کس لئے؟

## سر بلندی کا راز

اللہ اللہ دنیا کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور حقیر سے حقیر چیزوں کو بھی کیسا عروج حاصل ہو جاتا ہے۔ کاغذ کا ایک پرزہ جس کی کوئی حقیقت نہ تھی جب اس پر کلام الہی کی آیت لکھ دی گئی تو اس کی عظمت کس قدر بڑھ گئی۔ ایک پتھر کے بے حقیقت ٹکڑے کو تراش کر جب مسجد کے حجاب میں لگا دیا گیا تو اسے کیسی سر بلندی حاصل ہو گئی۔ ایک ادنیٰ اسی ٹکڑی کو جب ایک خدا رسیدہ بزرگ کا عصا بننے کی سعادت نصیب ہوئی تو لوگ اسے آنکھوں سے لگانے لگے۔ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا جب مسجد کا فرش بن گیا تو اس پر سجدے ہونے لگے اور اسے وہ عظمت حاصل ہو گئی جو قیامت تک کسی ٹھلی فرش کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہی اینٹ اور چونا جو کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن ایک عبادت خانے میں لگ گیا تو اس کی وقعت بڑھ گئی۔

سے نادان انسان! جس طرح یہ حقیر چیزیں باعث عظمت

بن سکتی ہیں اسی طرح حقیر سے حقیر انسان بھی قابل تعظیم و تکریم بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے اندر کوئی باطنی جوہر پیدا کر سکے۔

## عبادت خانہ اور قمارخانہ

اینٹ، چوڑے اور مٹی کے ڈھیر سے قمارخانہ بنتا ہے اور اسی سے عبادت خانے کی بھی تعمیر کی جاتی ہے۔ دونوں اسی زمین پر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اور ایک ہی طرح اور ایک مسالے سے ان کو بنایا جاتا ہے، لیکن جب یہ عمارتیں بن کر تیار ہو جاتی ہیں تو ایک کو تو لوگ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دوسری عمارت میں جا کر بڑے احترام سے سجدے کرتے ہیں۔ جب یہ بھی مٹی کا ڈھیر ہے اور وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہے تو ایک کو کیوں مقدس سمجھا جاتا ہے اور دوسرا کیوں حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔

ان کی عظمت و ذلت کے راز پر جب غم غور کر دو گے تو پتہ چلے گا کہ ایک وجہاں پرستان حق کی موجودگی نے قابل احترام بنا دیا ہے، وہاں دوسری مارت کو اوپاشوں اور بد قماشوں کی صحبت نے اسے رسوا کر دیا ہے۔

اے گوشت و پوست کے ڈھیر انسان تیری حالت بھی ان عمارتوں جیسی ہے۔ اگر تیرے دل و دماغ میں پاک خیالات ہیں تو دنیا تجھے احترام، نگاہ سے دیکھے گی اور اگر تو نفسیاتی خواہشات کا غلام بن گیا تو تجھے ذلت، نظر سے دیکھا جائے گا۔ اب تجھے اختیار ہے کہ خواہ تو ذلت حاصل کر یا اپنے آپ کو احترام کے لائق بنائے۔

## عروج اور زوال

خاک کے وہ حقیر ذرے جنہیں کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ جب آندھی کا ایک طوفان انہیں زمین سے اٹھا کر فضا کی بلندی میں لے گیا اور انسانی سروں پر رقص کرنے لگے تو یہ اپنی ہستی اور حقیقت کو بھول گئے اور انہیں نے یہ سمجھ لیا کہ سر بلندی اور عروج ہمیشہ حاصل رہے گا۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب یہ طوفان کم ہوا اور فضا میں سکون پیدا ہو گیا تو وہی حقیر ذرے جو فضا میں بڑے غرور سے رقص کر رہے تھے، پھر زمین پر آن پڑے اور بدستور پیروں تلے روندے جانے لگے جب ان ذروں کو پیروں سے کچل ا جا رہا تھا تو کوئی ان سے کہہ رہا تھا۔

اے خاک کے ذرے! اپنے عارضی عروج کا انجام دیکھ لو۔ "انسانی ضمیر نے جب یہ آواز سنی تو اس نے دنیا والوں سے کہا "یہ عروج و زوال سرتاپا فریب ہے۔ بے بنیاد عروج کبھی باقی نہیں رہتا، اے لوگو! تم جو آج عارضی عروج کے غرور میں مبتلا ہو، نہیں کہا جاسکتا کہ خاک کے ذروں کے عارضی عروج کی طرح کب تمہارا عروج بھی ختم ہو جائیگا۔"

## ایک غیبی آواز

اس نے دولت پیدا کرنے کے معاملے میں کبھی جائز و ناجائز کی پروا نہیں کی اور چند سال کے اندر ہی اندر وہ ایک بہت بڑی دولت کا مالک

بن گیا۔ وہ اپنی کامیابی پر بے حد مسرور تھا۔ اس کی دوستمندی میں اور دنیا  
اضافہ ہوتا چلا گیا، لیکن جو بڑا وقت گزر رہا تھا اس کی عمر گھٹی چلی گئی۔

اور ایک غیبی آواز برابر اسے ٹوکتی رہی کہ اے میرے سرمایہ دار اے  
دولت کے متلاشی، اس بات کو نہ بھول کہ وقت کے ساتھ ساتھ جہاں تیری  
دولت بڑھ رہی ہے وہاں عمر گھٹ رہی ہے۔ یہ نہ بھول کہ فضا میں جتنی  
بھی تیری سانسیں منتشر ہو چکی ہیں انھیں تو بڑی سی بڑی قیمت دے کر بھی  
واپس نہیں حاصل کر سکتا۔

انسان کس قدر ناتجربہ اور نادان ہے کہ وہ زندگی کے بہترین سرمایہ  
کو لٹانے کے بعد سونا، چاندی، اینٹ اور پتھر کے ڈھیر پر فخر کرتا ہے۔  
حالانکہ جس روز آخری سانس ختم ہو جائیگی دوستمندی کا یہ سارا اثما شاہ  
معنی ہو کر رہ جائے گا۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ہر سانس اور ہر لمحے کی قدر  
کرے اور اسے نیک کاموں میں صرف کرے۔ کیونکہ آخرت کا سکون  
صرف انھیں کے لئے ہے جن کی زندگی نیک کاموں میں صرف ہوتی ہیں۔

## کنول کا درس

کنول کا خوشنما پھول پانی پر تیر رہا تھا۔ ہوا کے تند اور تیز جھونکے  
اُسے ڈبوئے گی فکر میں تھے۔ لیکن کنول کا پھول اپنے آپ کو سنبھالے رہا۔  
اور اس نازک پھول نے بڑی مردانگی سے ہوا کے تند جھونکوں کا مقابلہ  
کیا اور ایسا مقابلہ کیا کہ ہوا کے تھپڑے انسانی کوشش کے یا وجود کنول کو  
ڈبوئے میں کامیاب نہ ہو سکے۔



اور اس بچہ کی ماں ایک جوان اور تنومند عورت تھی جو اس بے  
حقیقت کیرے کو خون جگر پلا کر سرور شکر رسی تھی۔ ایک زمانے کے بعد  
اس نے دیکھا کہ یہ بے حقیقت کیرا تو ایک قوی ہیکل جوان بن گیا ہے۔  
لیکن تنومند عورت جس نے کہ اس کو جوان کو خون جگر پلا کر پالا تھا بڑھاپے  
پر کم طاقتی کی وجہ سے ایک زندہ لاش بن گئی ہے۔

میں نے یہ نظارہ دیکھا تو میرے دل نے کہا: ”خداوند اتیری کرشمہ  
مازیاں کس قدر عجیب ہیں کہ تو بے حقیقت کیروں کو قوی ہیکل انسان  
نا دیتا ہے اور جنھوں نے کہ ان کیروں کو جنم دیا ہے اور انہیں توانائی  
طاقتی ہے انہیں نیم مرده بنا دیتا ہے۔“  
ررت نے جواب دیا کہ: ”اے انسان! ان انقلابات میں تیرے  
لئے ایک درس عبرت پوشیدہ ہے ان سے سبق لے۔“

## کردار میں تبدیلی

پانی مڑتوں سمندر میں پڑا رہا جب وہ کھاری سمندر میں  
سے پڑے گھبرا گیا تو اس نے بادلوں کی آغوش میں جا کر پناہ طلب بادل  
س پانی کو لئے ہوئے فضا میں ادھر ادھر پھرتے رہے۔ کچھ مدت کے  
بعد بادلوں نے اس پانی کو زمین پر برسایا۔ جب سمندر کا یہ پانی  
دلوں سے زمین پر آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اب اس میں سمندر کی  
جو ریت باقی نہ تھی، بلکہ اس پانی میں ایک خاص قسم کی شیرینی پیدا  
و چکی تھی۔

پانی سے جب اس تبدیلی کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا: جب تک میں کھاری سمندر کی صحبت میں رہا اس وقت تک میرے اندر بھی شور و ہوا جو درسی۔ لیکن جب میں سمندر سے نکل کر یادلوں کی طرف چلا گیا اور پستی سے اٹھ کر بلندی پر جا پہنچا تو یادلوں کی ہمیشی نے میری شوریت کو شہریت میں بدل دیا۔

گوش (چشم) حقیقت نے جب یہ بات سنی تو اس نے انسان سے کہا۔ ”پانی کے ان چند حقہ قطروں سے سبق حاصل کرو۔ اچھی صحبت جب ذالقمہ پانی کا بدل سکتی ہے تو اچھی صحبت سے انسانی کردار میں بھی تبدیلی آ سکتی ہے صحبت صالح ترا صالح کند۔ صحبت طالح ترا طالح کند

## سکون کی تلاش

اس دنیا میں نہ حکمران کو سکون حاصل ہے اور نہ فقیر کو۔ نہ امیر مطمئن ہے اور نہ غریب۔ لیکن پھر بھی انسان سکون کی تلاش میں مضطرب اور بے چین رہتا ہے، حالانکہ جیسے ہی دنیا میں سکون حاصل ہونا ناممکن ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب کوئی شخص دریا یا سمندر میں گر جاتا ہے اور ڈوبنے لگتا ہے تو جب وہ زندہ رہتا ہے اور دریا کی موجیں اسے چین لینے نہیں دیتیں کبھی اسے پانی کی تہہ میں لے جاتی ہیں اور کبھی اچھا لادیکر سطح آب پر لے آتی ہیں۔ لیکن جب اس کی زندگی دریا کی لہروں کے تھمبروں سے ختم ہو جاتی ہے اور وہ مر جاتا ہے تو اس کی نعش پانی کی سطح پر آ جاتی ہے اور بڑے اطمینان کے ساتھ تیرنے لگتی ہے۔



اسی طرح انسان اس دنیا میں زندہ رہتا ہے تو زندگی کا سیلاب اسے بہائے اور دھوا دھرائے پھرتا ہے۔ ہر روز اسے زندگی کے نشیب و فراز سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن جب اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اسے ہمیشہ کے لئے سکون مل جاتا ہے۔ بس جیسے جی اس دنیا میں سکون نہ مل سکا۔

”سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں  
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔“

(علامہ اقبال)

## دولت کی حقیقت

ابن مہریرہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ میرا مال میرا مال کہتا ہے۔ (یعنی اپنے مال دار ہونے پر فخر کرتا ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں سے جو کچھ اس کا ہے وہ صرف تین چیزیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کھالیا اور ختم کر دیا۔ دوسرے وہ جو پہنا اور پھاڑ ڈالا۔ تیسرے وہ جو راہ خدا میں دیدیا اور ذخیرہ آخرت بنالیا۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ دوسروں کے لئے چھوڑ کر چلا جانے والا ہے۔ یعنی اس دنیا میں انسان نے جو کھالیا، پہن لیا اور راہ خدا میں دیدیا بس وہ تو اس کا ہے۔ باقی ساری دولت دوسروں کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ (حدیث)

## جلد و جہد

تائید از روی اگر شامل حال ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کنواں کھودے

زمین سے صاف اور شیریں پانی نکل آئے لیکن توفیق غیب کی امید پر ترکِ جدوجہد کرنا اسلامی اصول کے سراسر خلاف ہے۔ مشقتِ معیارِ زندگی کی بہتری کی ضامن ہے۔ اور کاہلیِ تباہی کی بنیاد ہے۔ لہذا پانی حاصل کرنے کے لئے زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی دور کرتے رہو انشاء اللہ اس سعی مسلسل سے کنواں وجود میں آئے گا۔ قدرت کے اس قانون کو اٹل سمجھو کہ جس نے خونِ پیسینہ ایک کیا خوش حالی اسی کو نصیب ہوئی، جس نے غوطہ لگایا گہرا اسی کو عزا، جو چلتا رہا منزل اسی نے پائی۔

(عارف ارومی)

## دو گز زمین

تو پس آگ اگل رہی تھیں۔ آسمان سے بھی آگ برس رہی تھی۔ حصولِ اقتدار کے لئے دنیا کے مختلف گوشوں میں بڑی بڑی کے ساتھ انسانی خون بہایا جا رہا تھا۔ وہ زمین جسے خدا نے نبیِ نوح انسان کے لئے امن و عافیت کا گہوارہ بنایا تھا۔ انسانی لاشوں سے پٹی پڑی تھی۔ بچے بھی زخمی تھے۔ عورتیں بھی زخمی تھیں اور بوڑھے بھی خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ آیا یا الکمندربن لکئی تھیں۔ اور اس تباہی اور بربادی کے ذمہ دار وہ حکمران تھے جو ڈاکوؤں کی طرح لوٹ مار اور غارتگری میں مصروف تھے۔ فاتحِ اعظم نبولین کی روح نے دنیا میں جب یہ تباہی اور بربادی دیکھی تو اس نے اپنا درندہ صفت حکم انوں سے کہا۔  
وونجھی میں بھی فتح و اقتدار کے جوش میں مبتلا تھا۔ اس جنگی خاطر میں نے اوروں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم بنا دیا تھا۔ لیکن تمھیں

معلوم ہے کہ میری اس درندگی اور بربریت کا انجام کیا ہوا۔ میری حکومت اور میرا اقتدار آن واحد میں مٹ گیا اور مجھے اپنی آخری زندگی قید و بند میں گزارنی پڑی، یہاں تک کہ میری موت بھی قید خانے میں ہی ہوئی۔  
 فاتح اعظم نپولین کی روح نے پھر اپنی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا  
 ”اے بنی نوع انسان کا خون بہانے والو یہ بات نہ بھولنا کہ تمام عمر کی جدوجہد اور ملک پر ملک فتح کرنے کے بعد مجھے اس دنیا میں جو کچھ مل سکا ہے وہ صرف دو گز زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں کہ میری قبر ہے۔ اس سے زیادہ مجھے اس دنیا سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ میرے انجام سے عبرت حاصل کرو۔“  
 (دین و دنیا دہلی)

## حکومت اور دولت ایک فریب

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے ہمیشہ ہی حکومت اور دولت کے لئے بنی نوع انسان کا خون بہایا ہے۔ چنانچہ آج بھی حکومت اور دولت کے لئے بڑی بیدردی سے بے گناہوں کے خون سے زمین کو لالہ زار بنایا جا رہا ہے۔ لیکن جس حکومت اور دولت کے لئے انسان ایک درندہ بن جاتا ہے، اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔

ظاہری آنکھیں سمجھتی ہیں کہ دولت اور حکومت انسانی ترقی کی معراج ہے۔ لیکن مشاہدات بتاتے ہیں کہ انسان کو نہ تو دولت سے روحانی سکون حاصل ہوتا ہے اور نہ حکومت سے، بلکہ اس

کے لئے کسی اور ہی چیز کی ضرورت ہے، چنانچہ دنیا کے بعض مقتدر بادشاہوں کے مرتے وقت کے جو کلمات ہیں ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت اور دولت سر تا پا فریب ہے۔

---

سلیمان بن عبدالملک خاندان بنی امیہ کا ایک با عظمت بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ اس کے سامنے دم نہیں مارتے تھے۔ لیکن اس کو جیتے ہی چین میسر نہ آسکا۔ جب سلیمان کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا۔  
 ”میں اسی تمنا اور آرزو میں رہا کہ مجھے زندگی میں کبھی اطمینان اور سکون حاصل ہو سکے۔ اور میں اس اطمینان کے بعد اپنی زندگی عبادت الہی میں صرف کر سکوں۔ مگر مجھے اپنی عمر کا ایک دن بھی ایسا یاد نہیں کہ کسی روز مجھے سکون حاصل ہوا ہو۔ میں بے اطمینانی کی موت مر رہا ہوں، میں دنیا میں کچھ کر نہ سکا۔“

---

خلیفہ عباسی ہارون الرشید کے باپ خلیفہ مہدی بغداد سے ہرجان جا رہے تھے۔ ہارون الرشید بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب یہ باشندان پہنچے تو اچانک ان کی حالت بگڑ گئی اور نہ بھاگی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی حالت میں انھوں نے ہارون الرشید سے کہا۔  
 ”لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے بادشاہت کی ہے، مگر میں نے انتہائی مصیبت اور تکلیف کی زندگی گزاری ہے۔ اگر انسان کی زندگی کا مقصد اسی قسم کی بے اطمینانی ہے تو اس زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔“

میں خوش ہوں کہ بے اطمینانی کی زندگی سے مجھے نجات مل رہی ہے۔  
میں نے جہاں تک ممکن ہو ارعایا کی خدمت کی، مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ میں  
نے کچھ نہیں کیا اور میری زندگی ضائع ہو گئی۔

یہ ان حکمرانوں کے آخری وقت کے احساسات ہیں جنہوں نے  
انتہائی فرض شناسی کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اور جن کو دنیا کی تمام نعمتیں  
میسر تھیں۔ اُن کے ان احساسات سے پتہ چلتا ہے کہ دنیاوی  
حکومت بادشاہت اور ثروت کس قدر بے حقیقت ہے۔

## یہ بے نشان قبریں

میں نے سکندر اعظم کے مرقہ کو تراش کیا اُس کا کوئی پتہ نہ مل سکا۔  
میں نے نبولین کی قبر کو دیکھا تو وہ شکستہ حالت میں پڑی ہوئی تھی اور  
کوئی اس کی جانب رخ کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس کے برخلاف میں نے  
بوریا نشین بزرگان دین کے مزارات پر عقیدتمندوں کا اس طرح ہجوم  
دیکھا گویا کہ وہ آج بھی زندہ ہیں۔

میرے دل نے حکمرانوں کی ناقدری اور بزرگان دین کی یہ قدر  
دانی دیکھی تو اُس نے مجھے کسے کہا۔ بزرگان دین نے چونکہ ہمیشہ بنی نوع انسان  
کی خدمت اور رہنمائی کی ہے اس لئے آج بھی دنیا کو اُن سے عقیدت ہے  
لیکن حکمران جنہوں نے ہمیشہ مخلوق خدا کا خون بہایا ہے۔ اُن سے دنیا بُری  
طرح متفرق ہے۔ کس قدر عبرت انگیز ہے حکمرانوں کی حالت۔

## اسے سفاک سرمایہ دار

اناج کے سرمایہ دار تاجرانے بڑی مسرت کے ساتھ اُس تجارتی کور دیکھا جو چاندی اور سونے سے بھری ہوئی تھی۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر میں اپنے اناج کے پوشیدہ ذخیروں کو کچھ روز اور روک لوں تو مجھے لاکھوں روپیہ کا مزید نفع ہو سکتا ہے۔

دولت کھانے کے لالچ میں اُس نے اناج کے ذخیروں کو روک لیا۔ تمام ملک میں ایک بے چینی اور بیکاری پیدا ہو گئی۔ لوگ روپیہ لئے پھرتے تھے مگر انہیں اناج نہیں ملتا تھا۔ غریب ناقوں پر فاقے گر رہے تھے۔ اور کوئی پرسان حال نہ تھا۔ معصوم بچے بھوک سے ہلک ہلک کر رہے دم ہو رہے تھے، لیکن انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ آتا تھا۔ لب دم بیمار اناج کے دانے دانے کے لئے ترستے ہوئے جانیں دے رہے تھے۔

لیکن اس مصیبت کا کوئی علاج نہ تھا۔ غرض کہ سارے ملک میں ایک بے چینی اور بے قراری برپا تھی۔

درد بھرے دل نے اناج کے تاجر کی اس سفاکی اور درندگی کو دیکھا تو کہا۔  
 دو ذرا غور کرو کہ اس سفاک اور اس ظالم میں کیا فرق ہے جو بے گناہوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتا ہے، جو اپنے نفع کی خاطر دوسروں کی جان بے یست ہے، یہ خونی ہے، اس کے لئے قانون نے جو سزا رکھی ہے وہ بہت نرم ہے۔ اس کے لئے تو وہی سزا ہونی چاہئے جو کہ ایک قاتل اور خونی کو دی جاتی ہے، بلکہ خونی تو گئے گئے آدمیوں کی جانیں لیتے ہیں۔ لیکن یہ سفاک اپنے نفع کی خاطر سارے ملک کی جان لینے پر تیار ہوا ہے۔



# اسے سفاک سرمایہ دار

اناج کے سرمایہ دار تاجروں نے بڑی مسرت کے ساتھ اس تجارت کو دیکھا جو چاندی اور سونے سے بھری ہوئی تھی۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر میں اپنے اناج کے پوشیدہ ذخیروں کو کچھ روز اور روک لوں تو مجھے لاکھوں روپیہ کا مزید نفع ہو سکتا ہے۔

دولت کمانے کے لالچ میں اس نے اناج کے ذخیروں کو روک لیا۔ تمام ملک میں ایک بے چینی اور بیکاری پیدا ہو گئی۔ لوگ روپیہ لئے پھرتے تھے مگر انہیں اناج نہیں ملتا تھا۔ غریب فاقوں پر فاقے گر رہے تھے۔ اور کوئی سانپ حال نہ تھا۔ معصوم بچے بھوک سے ہلک ہلک کر رہے دم ہو رہے تھے، لیکن انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ آتا تھا۔ لب دم بیمار اناج کے دانے دانے کے لئے ترستے ہوئے جانیں دے رہے تھے۔

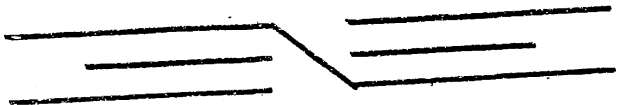


یہاں تک کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال  
سے لے کر جنوب تک دنیا ان انہی ایجادات  
کی وجہ سے مجلس کر رہ گئی۔

چشم حقیقت نے جب دنیا کو اس تباہی کے  
عالم میں دیکھا تو کہا۔

”وکیا ان انسان اپنی انہیں خوفناک اور تباہ کن  
ایجادوں کی بنا پر خدا کی کا دعویٰ کر رہا تھا۔ لے  
مغرورانہ ان عبرت حاصل کر اور دیکھ قدرت کس  
طرح تجھے تیرے ہی دماغ سے نکلے ہوئے خوفناک  
سیلاب کے ذریعے تباہ کر رہی ہے۔“

(ماہنامہ دین و دنیا)



# کون کسی کو حاصل نہیں

سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی، رات کی تاریکی میں شاہ ایران نادر شاہ کا محل روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ سیکڑوں سپاہی محل کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے، بے چارے سپاہی سردی کی شدت اکڑے جا رہے تھے۔ ان غریبوں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

و نادر شاہ بھی ان ان ہے اور ہم بھی ان ان ہیں لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ اُسے تو آرام کے لئے شاہی محل حاصل ہے اور ہم بدنصیب سردی میں ٹھٹھہ رہے ہیں۔

نادر شاہ اس وقت اپنی آرام گاہ میں تھا۔ آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی، مگر اُسے نیند نہیں آ رہی تھی اور نیند نہ آنے کا بڑا سبب یہ تھا کہ نادر شاہ کے مظالم نے اس کے گرد و پیش آدمیوں تک کو اس کی جان کا دشمن بنا دیا تھا۔ اسے ہر لمحہ اپنی جان کا خطرہ تھا۔ وہ بہت دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔

وہ بستر سے کھڑا ہو کر ٹہلنے لگا جب وہ ٹہل رہا تھا تو اس نے محل کی گھڑکی سے پہرہ دینے والے سپاہیوں کو دیکھا کہ وہ کھلے میدان میں آزادی سے پھرتے ہیں۔

نور شاہ نے سپاہیوں کو دیکھ کر تعجب سے اسانس بھرا اور سوچنے لگا کہ میں بھی ایک انسان ہوں اور سپاہی بھی انسان ہیں لیکن قدرت کی کرشمہ سازی کتنی عجیب ہے کہ یہ خوف کے میدان میں کھڑے ہیں۔ ان کو نہ کسی دشمن کا خوف ہے کسی سازش کا خطرہ۔ ایک میں ہوں کہ محل کے اندر ہوتے ہوئے بھی سڑا ہے اور پیا نشان ہوں۔ کس قدر بے کیف ہے یہی زندگی۔

نور شاہ ذہنی تکلیف میں مبتلا تھا اور سپاہی جسمانی تکلیف سے مضطرب تھے لیکن پسین کسی کو بھی نہ سرنہ تھا۔ ان کی تکلیفیں پیریشانیوں و نیاواؤں سے کہہ رہی تھیں۔ اس دنیا میں کسی کو بھی چین اور سکون حاصل نہیں۔

## یہ کس کی بستی ہے؟

نور شاہ اس دنیا کی حالت دیکھ کر حیران ہوں اور سوچنے سے قاصر ہوں کہ یہ دنیا انسانوں کی بستی ہے یا درندوں کی بستی؟ یہاں انسانوں کی بستی تو کون کہہ سکتا ہے جہاں کہیں بھی دوسری قوم کا خون نہ ہو مگر خوش ہندی اور غم کے ساتھ اپنی جان کا کئی دارستان بیان کر رہی ہے۔

دنیا میں انسان اس لئے بھی گیا تھا کہ وہ امن اور سکون  
کی زندگی گزار سکے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت انسانیت کے بارے میں  
کے لئے یہ سب کچھ تھا اور اس کو کھیل اور مفلوجوں کو سینے سے لگا لے لیکن  
ان کے لئے یہ سب کچھ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ ان کے لئے نہیں تھا اور ان کے لئے  
یہ سب کچھ نہیں تھا۔

یہ سب کچھ بتاتی ہے کہ جب بھی انسانوں کے کسی گروہ میں  
ہمہنگی پیدا ہوتی ہے وہ مٹ گیا ہے۔ ان کی اخلاقی پستی  
تیار ہی ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب کہ یہ وہ وقت  
انسان خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لیں گے یہی  
اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے اور بھی اب ہو کر رہے گا جب  
فرعون اور نمرود باقی نہ رہ سکے تو یہ کیونکر باقی رہ سکتے ہیں۔

## خدائی قوت کا دعویٰ دار

مہینے آپ کو خدائی قوتوں کا منظر سمجھاتا تھا۔ اس نے  
رب ترقیوں نے اسے خدا کے وجود کا منظر دکھایا تھا۔ وہ انسانوں  
سے مرے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے منظر پر غور کر رہا  
تھا۔ اس نے جب چند مردہ جانوروں پر اپنی ایجاد کیا تو مایہ  
اور ان میں عارضی طور پر زندگی کی ہر پیداوار کی توجہ غور کے  
نشد میں مددگار ہو گیا اور اس نے کہا کہ  
”وہ کہاں ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے انہیں زندہ نہیں کیا“

خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اگر دیکھ لیں کہ خدائی قوت  
میرے دماغ میں پوشیدہ ہے۔ میں رسول کو زندہ کر سکتا  
ہوں۔

وہ سالہا سال تک اپنی ایک دھول کو سنبھل کر نہیں لگا رہا۔  
یہاں تک کہ ایک روز موت کے فرشتے نے اُن کو بلایا اس روز  
اسے معلوم ہوا کہ انسانی دماغ کی تدبیریں سب اس کے دماغ  
عمر دہلی کو زندہ کرنے کے لئے ایجادات تھیں۔ لہٰذا جب موت  
آئی تو عمر دہلی نے کہا کہ میں کاٹ کر سکتا۔

انسان عادی کا یہاں ہونے کے لئے میں حقیقی چیز کو قبول مانتا  
ہے۔ کاش زندگی کے کچھ ثمرات سے انسان کوئی سبق حاصل کر سکے۔

## دنیل کے حین پر ہے

حسن و جمال میں نہ جانے کس بلا کی کشش ہے کہ انسان ایک  
حسینہ کو دیکھ کر جمہورت بک کر رہ جاتا ہے۔ میں کچھ بتا نہیں  
سکتا کہ سینما کے سیمیں پر وہ ہر ایک حسین اور بولتی ہوئی حرکت  
سعادت نے میرے دل پر کیا اثر کیا میں نے جب بولتی ہوئی اس  
بھولی صورت کو دیکھا تو میرا دل سینے کے اندر بے چین ہو گیا اور  
مجھے یہ معلوم ہوا جیسے کوئی مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ میں کتنی  
گفتے اس متحرک تصویر کی دلچسپیوں میں گم رہا اور جگہ اُڑا  
محسوس ہوا گویا یہ تصویر نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد حسین نظارہ ختم ہو گیا۔ اب یہ متحرک  
تصویر میرے سامنے نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ کمرے کی ایک سفید  
بھٹی چادر سجھے دکھائی دے رہی تھی۔ اُس وقت مجھے احساس  
ہوا کہ یہ جو کچھ تھا ایک شراب تھا۔ اس حقیقت کے انکشاف  
کے بعد میرے دل نے گہا یہ دنیا اور اس کے حسین جلوے بھی  
ایک متحرک اور بھولتی ہوئی تصویر کے مانند ہیں۔ اپنی جلوے نے  
ہمیں جو حیرت بنا رکھا ہے۔ لیکن موت کے بعد حقیقی زندگی  
شروع ہو گی اس وقت ہمیں معلوم ہو گا کہ یہ دنیا سراسر دھوکا اور  
فریب تھی، اور اس کی دلچسپیوں میں پھنس کر ہم نے اپنی  
عاقبت کو تباہ کر لیا۔

## ایک پری پیکر مغنیہ

عہد بنی امیہ میں ایک پری پیکر اور مشہور مغنیہ گارمی تھی  
اس کی آواز میں کچھ ایسا سحر تھا کہ جب وہ گاتی تھی تو سننے والے  
مست و بخود ہوتا تھے۔ مغنیہ پرے کیف کے ساتھ  
گارمی تھی اور سننے والے اس کی لہر تان پر جھوم رہے تھے۔  
اس پری پیکر کے نفوں نے گرد و پیش کی پری لڑائیں مستی  
پیدا کر دی تھی۔ اس کے نفوں کی سحر آفرینی اس قدر بڑھی  
ہوتی تھی کہ اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ اس کی سحر  
میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر بے تاب ہو گئے۔ ایک روز کا ذکر ہے

کہ وہ بزرگ اس کے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اُن  
میں اتنی تابعدار رہی کہ وہ اس مغنیہ کے نقول کو سننے بغیر آگے  
قدم بڑھا سکیں۔ چنانچہ اسی پر ہی پیکر کے سحر میں ڈوبے ہوئے  
نغمے ایک زاہد شب زندہ دار کو مغنیہ کے مکان کے اندر کھینچ کر  
لے گئے اور اس پر ہی پیکر کے رو برو انہیں لا کر بٹھا دیا۔ اس  
وقت ان کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہیں، بس وہ ان نقول کو سننے  
میں مست تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں ان کے ضمیر نے ان کو جھنجھوڑ کر بیدار  
کر دیا وہ سنبھلے اور اپنے نفس پر ملامت کہتے ہوئے وہاں  
سے چل دئے۔ مغنیہ اسی طرح روزانہ گاتی رہی۔ اور اس کی آواز  
مذہب تک لوگوں کے لئے غارِ محرابِ ایمان بنی رہی۔ یہاں تک کہ کثرت  
شراب نوشی نے اس کو بیمار کر دیا اور ایسا بیمار کر دیا کہ نہ حسن باقی  
رہا اور نہ آواز میں دلکشی، اور وہ زندگی سے مایوس ہو گئی۔ زندہ گی  
سے مایوسی کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ زاہد شب زندہ دار کے پاس  
آئی اور اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لے ہوئے کہا۔  
”گو میرے لئے دعا کیجئے کہ میرا انجام بخیر ہو۔“

اب نہ اس کے حسن میں کشش تھی اور نہ آواز میں دلکشی  
مسلل بیماری نے اسے بڑی اور چمڑے کا ایک بد نما ڈھانچہ  
بنادیا تھا۔ کس قدر عبرت انگیز ہے دنیا کی حالت، کہ وہی حسن  
وہی نغمہ، جس نے کہ ایک بزرگ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ آج اس کا  
کوئی خریدار نہ تھا۔ وہ جنہیں خدا نے چشمِ بصیرت عطا کی ہے

ان کے لئے اس واقعہ میں نہایت ہی عبرت اور نصیحت ہے۔

## نصیحت آواز احساسات

یہ ہنگامہ آفریں دنیا جس کے مشاغل کی تمنا کبھی ختم نہیں  
 نہیں ہوتی اور جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہوس پرست انسان  
 کہتے کوئین کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر یہ غامد دیکھتے  
 تو ایک آفریحی نگار خانے سے بھی زیادہ ناپایدار ہے۔ لیکن آہ!  
 کس حدمہ غمناک ہے یہ حقیقت کہ اسی تغریبی نگار خانے کی  
 رعنائیوں اور اپنے اعمال و فرائض کی ذمہ داریوں سے یکسر  
 بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اس کا آخری نظارہ جب کہ روح  
 و جسم کے تعلقات منقطع ہوتے ہیں جو عبرت پسند کے لئے  
 نہایت حسرت آفریں اور عبرت انگیز ہو جاتا ہے۔  
 ذیل میں چند مشاہیر کے وہ قیمتی محسوسات درج کرتے  
 ہیں جو زندگی کے آخری لمحات میں انھوں نے صریح و اخلاص  
 سے بیان کئے ہیں۔

فدوق اعظمؑ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی  
 دھار یوں کے احساس کی بنیاد پر اس کا بار ادا بے قرار تھے۔ آپ  
 کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ نے اس نازک وقت میں حاضر  
 ہو کر عرض کیا۔



”ابا جان! مہاجرین اور انصار میری خلافت کے متعلق کچھ تذکرہ کر رہے ہیں۔ میں اس ذمہ داری کو قبول کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کچھ نصیحت کیجئے۔“  
 سیدنا فاروق اعظمؓ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا:  
 ”بیٹا! اگرگز اس ذمہ داری کو قبول نہ کرنا، بد ظاہر بھولوں کا بستر ہے لیکن وہ حقیقت کا بیڑوں سے بھرا ہوا صحرا ہے۔ جس خاندان میں ایک ہی شخص ایسا کافی ہے۔ جسے احکام الہی کہیں گے وہ بد آدمیوں کے حقوق کے متعلق جواب دینا پڑے گا۔“

”عبداللہ! میں بظاہر امیر المؤمنین اور عظیم المنزلت فرمانبردار تھا۔ لیکن میری ایک شب بھی ایسی نہیں گزری جب میں نے دن میں کئے ہوئے کاموں پر تبصرہ نہ کیا سوا وہ اپنی ایک ایک لغزش پر چار چار گھنٹے تک آنسو نہ بہائے ہوں۔“  
 ابن عمرؓ! تم جانتے ہو، لاکھوں روپے میرے پاس بطور امانت رہتے تھے۔ لیکن ایک درہم بھی میں نے اپنی ذات پر یا اپنے متعلقین کی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ میں چھ گھنٹے روزانہ کپڑے کے کاروبار کرتا تھا۔ اذ اس کے نفع سے اپنی ضرورتیں پوری کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس طرح فرض امارت انجام دے سکتے ہو؟ اگر نہیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی حکومت کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ اچھا خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔“  
 (تذکرۃ العباد)

شام، عراق، فلسطین اور ایران کے عظیم الشان فاتح و  
الوجہ جہنم کے افکار و اغلاص اور جن کے غم و ماسم و  
ظفر تلاش سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اراشعبان ۱۱۷۰ھ کو  
جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹے سے فرمایا۔

”عالم میری کامیابی کا راز یہ تھا کہ میں نے کبھی اپنی  
ہستی کو مرتبہ انسانیت سے بالاتر نہیں سمجھا اور میں  
ایسا کیوں سمجھتا؟ جب کہ میں اس حقیقت سے واقف  
تھا کہ میری ایک قوت بھی خدا سے محفوظ نہیں، اگر میں  
اپنی دماغی قابلیت پر غور کرتا تو اس سے بڑھ کر  
اور کوئی اور ہو سکتا تھا، کیونکہ میں اس بات سے  
واقف تھا کہ ایک معمولی مرض کا حملہ میرے تہ و تفکر  
کا خاتمہ کر سکتا ہے، میری قوت گویائی اور میری جرات  
و بہمت ایک ایسی نعمت تھی جو چند لمحوں میں مجھ سے  
واپس لی جاسکتی تھی سب سے بڑھ کر یہ کہ خود میری  
حیات فانی جس کی ہنگامہ آفریں مصروفیت نے  
مجھے آسمان شہرت پر پہنچا یا وہ بھی زوال اور فنا سے  
محفوظ نہ تھی۔ میں ہمیشہ عالم بیداری میں موت کو  
اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا تھا، اسی لئے تکبر و غرور  
تصنع و انانیت نے میرے محسوسات پر اقتدار  
عاجل نہیں کیا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے دوسروں کی  
اصلاح کے لئے بہت محنت و کوشش کی، لیکن خدا کا

شکر ہے کہ میں اپنی اصلاح میں بڑی رشک کامیاب ہو گیا۔ عامر، اگر تم میری اس آخری ہدایت کو سامنے نہ رکھو گے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم اعرابان کے ساتھ زندگی بسر کرو گے۔ (تذکرۃ العباد)

ہافض بن اسلم دہلوی کا مشہور مورخ اپنی مگر الفترہ تصنیف "سیران الادیان" میں لکھتا ہے:-  
 فاتح بیت المقدس حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی بن کر فاتحانہ کارناموں سے گنبد عالم کا گوشہ گوشہ گونج رہا تھا۔ جب آغوش رحمت میں جانے والے تھے تو انھوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا:-

"اپنے کسی دروہند غریب بھائی کو حقیر نہ گناہوں سے نہ دیکھو اور اس کی ناداری کی بنا پر اسے ذلیل نہ سمجھو ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں تمہارے لئے ایک ایسا جذبہ اخلاص اور درد ہو جو کسی قیمت پر بھی بازار کائنات میں نہ مل سکتا ہو۔ کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ غریبہ اور نادار کے ہلو میں بھی ایک ایسا دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش ہوتا ہے اور جو ناروا سلوک سے غمگین ہوتا ہے۔"

"سنو! میری زندگی کا اولین مسلک یہ تھا کہ میں اپنے سپاہیوں کو اپنے بھائیوں سے بھی زیادہ چاہتا تھا۔"

اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا۔ ایک مسیحی خادم نے ایک مرتبہ میری دعوت کی تو میں نے مہذا طالبہ یہ کیا کہ میرے سپاہیوں کے لئے بھی وہی کھانا تیار ہونا چاہئے جو میرے لئے تیار کیا جائے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ میرے رفقاء کے کار میرے ہمدرد اور غمگسار تھے اور دنیا کی کوئی قوت ان کو مجھ سے برکشتہ نہ کر سکی۔  
(میزان الادیان)

۷۔ ہزاروں سال نوگس اپنی بے نوری پر روتی ہے  
بہت مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ و پیدا

## راہب اور درندے

آج سے بہت پہلے یہاں سے بہت دور پہاڑیوں میں ایک راہب کا مسکن تھا۔ اس کی روح پاک اور ضمیر روشن۔ زمین اور آسمان کے تمام جاندار جو درجوں میں اس کے حضور میں آتے۔ وہ ان سے باتیں کرتا۔ وہ بڑے انہماک اور شوق سے اس کی باتیں سنتے اور اس کے گرد جمع ہوتے یہاں تک کہ سورج چھپے وہ ان کی دعاؤں کے ساتھ جنگل کی ہواؤں کے سہرے کرتا۔

ایک شام جب وہ محبت کے متعلق بات کر رہا تھا ایک شیر نے سر اٹھایا اور راہب سے پوچھا: حضور آپ ہم سے

تو محبت کی کہانیاں بیان کر رہے ہیں۔ لیکن آپ کی اپنی ہونے  
کہاں ہے؟

راہب بولا: میری کوئی جوڑو نہیں۔

اس پرچہ بدول، پرندوں اور درندوں کے اس انبوہ  
میں حیرت و استعجاب کی لہر دوڑ گئی۔ راہب کی کوئی سنا نہیں  
تھا۔ سب اپنی ہانکے جارہے تھے قیامت کا شور مچا رہے پناہ عوام  
بیٹھا تھا۔ ”یہ ہمیں محبت کرنے کا گھر بنانے کا درس کیوں دیتا  
ہے جبکہ اس نے خود نہ کبھی محبت کی دھمک لیا۔“

اس نفرت میں وہ اگلے اگلا بھڑک اٹھا اور اس رات  
راہب چٹائی پر گوندھا پڑا اور بنا سہیٹا رہا۔

## انسان اور کتا

کوچہ حرم میں لے جاتے نہ انسان کو خدا  
کہ وہاں تو سبگ دنیا میں سمجھوڑے کھاتے  
دیکھنے میں انسان اور کتے میں بڑا فرق ہے۔ باطن کا حال  
خدا جانے۔ کتے کی وفاداری مشہور ہے اور انسان کی غدا ریا  
کتا سامنے کاٹتا ہے اور انسان پیچھے۔ سگ گزیدگی کا علاج تو  
کیا جاسکتا ہے۔ لیکن انسان کا کاٹا ہوا بہت کم بچتا ہے۔  
سراغزانی کے میدان میں بھی کتا انسان کی عقل و دانش  
پر سبقت لے گیا۔ بعض سنگین جرائم کی تفتیش میں جو کام

انسان نہیں کر سکتا وہ کہتے سے لیا جاتا ہے کسی کے غم میں  
انسان مگر مجھ کے آنسو بہاتا ہے، لیکن وفادار کتا ایسے مومن اور  
پر خون کے آنسو روتا ہے۔۔۔

شائستگی کے بھیس میں روح و زندگی  
انسان کے لباس میں شیطان ہے آجکل

## روحانی سر بلندی

یہ شہر کس قدر عظیم الشان ہے۔ یہ عمارتیں کس قدر خوشنما اور  
دل فریب ہیں۔ یہ صاف اور شفاف سڑکیں کس قدر دلکش ہیں۔ اور  
یہ چھوٹوں سے لے کر بڑے ہوتے باغ و کھنڈر حسین معلوم ہوتے  
ہیں، وہ ایک بڑے شہر کے گمراہ تار مواسویرہ رہا تھا۔  
شہر کی رنگین فضا سے گزر کر وہ ہوائی اڈے پر پہنچ گیا۔  
اور ہوائی جہاز میں سوار ہو گیا۔ ہوائی جہاز جول جول فضا میں  
بلند ہوتا چلا جا رہا تھا شہر کی عالی شان عمارتیں، سڑکیں اور  
شہر سے متصل باغات نقطوں اور لکیروں کی شکل میں تبدیل  
ہوتے چلے جا رہے تھے مگر وہ جب زیادہ بلندی پر پہنچا تو  
اس نے دیکھا کہ سارا شہر ایک چھوٹے سے بے حقیقت مٹی  
کے ڈھیر کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور شہر کا سارا حسن اور خوبصورتی  
اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

اب اس کے ضمیر نے کہا کہ اے نلوان انسان تو نے دیکھا کہ

انسان جوں جوں زمین سے بلند ہوتا جاتا ہے دنیا کی چیزیں اس کے لئے بے حقیقت بنتی چلی جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی انسان روحانی اعتبار سے بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے یہ مادی دنیا اس کی دلکشی اور دلچسپی سے بے حقیقت بن جاتی ہے۔ کاش تجھے بھی روحانی سر بلندی حاصل ہو سکے۔  
(شوکت علی نہیں)

## حقیقی لگاؤ

آدمی کو مال سے ہر محبت ہے اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ جس جگہ اپنا مال رکھتا ہے یا جس کام میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے اسی جگہ اُس کا دل اٹکا رہتا ہے۔ اگر مال کسی محکمے جگہ دفن کرتا ہے تو اس کا دل اُسی گوشے میں گردش کرتا ہے۔ اگر بینک میں ہے تو اس بینک کے ساتھ اس کا دل بندھ جاتا ہے۔ الغرض جہاں اپنا مال ہوتا ہے وہاں اپنا دل بھی رہتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص اپنا مال خدا کے راستے میں خرچ کرے گا اسی کا دل بھی خدا کے ساتھ رہے گا کیونکہ مال خدا ہی کے پاس ہے۔

حضرت مسیح کا ارشاد ہے :-  
”کہ تم اپنا مال اپنے منہ کے پاس رکھو کیونکہ جہاں مال ہے وہاں دل بھی رہتا ہے۔“ (ماہنامہ الفرقان)

## عبرت انگیز نظارہ

بد نصیب فقیر نے بے کسی کے عالم میں سرگرمی کے کنارے محسوس  
 ہو گیا کہ وہاں مردی۔ جب وہ موت کی دھمکیاں سن کر اٹھا تو کسی کو  
 یہ خبر بھی نہ تھی کہ وہ دنیا کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گیا ہے۔ اس کے  
 لاش صبح سے شام تک اسی طرح مڑی ہوئی تھی کہ اس کے پاس ہی وہی  
 یہاں تک کہ رات بھی گزر گئی۔ وہ سوئے ہوئے نعش کی حالت میں  
 گھر سے باہر لے جایا گیا تھا کہ یہ مرد دنیا سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کی  
 کٹاکش سے ہمیشہ کے لئے بچاؤ نہ ہو سکا۔ اس کی کٹاکش سے ہمیشہ  
 سے اس کے تجسروں و تکلیفوں کا اہتمام کیا گیا اور نعش کی لاش چھوڑ  
 لگا دی گئی۔

اسی مدت ایوان حکومت میں پہلے بریاتی تھی کیونکہ ملک کا  
 حکمران بھی فقیر کی طرح نزع کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ نزع کی مستحق  
 برابر بڑھ رہی تھی۔ وہ حالانکہ نہایت آرام دہ کوٹھی میں پڑا  
 دم توڑ رہا تھا۔ لیکن اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ ایک عالی شان محل  
 میں ہے یا فقیر کی طرح سڑک کے کنارے پڑا ہوا ہے۔  
 حکمران نے بھی فقیر کی طرح جان دیدی اور اس کا جہاد جلال سے  
 موت کے پنجے میں پھرا گیا۔ سرکاری جہت سے سرنگول ہو گیا۔  
 اور دوسرے دن حکومت کے ذریعہ تمام بڑے افسران کے ساتھ حکمران  
 کی نعش کو بھی فقیر کی لاش کی طرح سپرد خاک کر دیا گیا۔ وہ جسم  
 منوں خاک کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک فقیر کا جسم



تھا اور ایک حکمران کا زمین کے کیمیاوی اثرات دونوں کو کیساں  
 طور پر گلانے میں مصروف ہو گئے۔ زمین کی نظر میں حکمران اور فقیر  
 دونوں برابر تھے۔ آخر وہ دونوں نعشیں گھنے کے بعد خاک بن گئیں۔  
 اب حکمران اور فقیر میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔  
 دل کی آنکھوں نے سب یہ کٹارہ عبرت اُگیر دیکھا تو کہا۔  
 "یہ ہے زندگی گلوں کا مال اوروں کے انسان کا انجام۔"  
 حقیقت میں نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔ بس یہ ایک  
 فریب ہے جس نے کہ انسانوں کی نگاہوں پر پردہ ڈال  
 رکھا ہے۔

## زندگی ایک سہرا ہے

غریب بزدل کوئی گھنٹہ کی لگاؤ نہ غنیمت کے بعد سر سے باقی  
 تک پسینہ میں تر تھا۔ وہ حکمران کے مالہ شان محل کے جدید  
 حصوں کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اس نے حکمران کے محل کے قیمتی  
 سامان کو دیکھا تو دل میں کہنے لگا۔  
 "خداوند تیرا انصاف بھی خوب ہے، کسی کو تو  
 عالی شان محل عطا کرتا ہے اور کسی کے پاس جھونپڑی

تک نہیں۔  
 مزدور حکمران کی خوش بختی پر رشک کھاتا تھا۔ اسے اپنی  
 زندگی بے قیمت مہم بھری تھی۔ وہ عام دن لگا کر محنت

کرتا رہا اور معمولی سی مزدوری لے کر رات کو اپنی جھونپڑی میں گھسا  
 ادا اپنی بد نصیبی پر افسوس کرتا ہوا سو گیا۔

حکمران اپنے محل میں کروٹیں بدلتا رہا۔ دشمنوں کے خوف سے  
 اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس کے مخالفین نے اس کے گرد سازش  
 کا بال بھیلادیا تھا وہ اپنے محل کے آدمیوں کو بھی اپنا دشمن تصور  
 کرنے لگا تھا۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا، اور سوچتا رہا کہ ایک حکمران  
 کس قدر کھٹنوں سے پر ہے۔ کہ اسے ایک معمولی شہری جیسی بھی  
 بے فکری حاصل نہیں۔ دوسرے دن جب اس کی شاندار  
 موز مزدوروں کی جھونپڑیوں کے قریب سے گزری تو وہ سوچنے  
 لگا کہ اس سے ہزاروں بجے بہتر تو ان غریبوں اور مزدوروں کی  
 زندگیاں ہیں جو سیاست کے داغ و بچ سے بے فکر ہیں نہ انھیں  
 دشمنوں کا کھٹکا ہے نہ اپنے مخالفین کی سازش کا۔  
 ایک حساس انسان نے جب حکمران اور مزدور کے دلوں کی  
 بے قراری دیکھی تو اس کے ضمیر نے کہا:-

”کہ اس دنیا میں نہ حکمران کو سکون میسر ہے  
 نہ مزدور کو، دونوں ہی اپنی اپنی الجھنوں اور  
 پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ دونوں ہی ایک  
 دوسرے کو دور سے دیکھ کر ان کی زندگی بہر  
 شک گمراہ ہے لیکن انھیں کیا معلوم کہ یہ  
 زندگی سب ہی کے لئے ایک گمراہ ہے۔“



## بھلے اور بُرے کی پہچان

دو چٹانیں ایک ساتھ ایک پہاڑ کی چوٹی پر رہتی تھیں۔ گاؤں والوں نے پہاڑ کاٹ کر ایک کچا راستہ بنایا لوگوں کی آمد و رفت کی سہولت کے لئے۔ اور ان چٹانوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

گاؤں میں ایک ندی بھی تھی۔ اس میں سے ایک چٹان کو سلیقے سے کاٹ کر ندی کے کنارے رکھ دیا گیا۔ لوگوں کے کپڑوں کا میل صاف کرنے کے لئے۔

دوسری چٹان ایک بٹ گمر کے ہاتھ لگی، اُس بٹ گمر نے اس چٹان کو کاٹ کر ایک شیوجی کی مورچی بنائی اور ندی کے کنارے مندر بنا کر نصب کر دی۔ اب تمام لوگ ایک پتھر پر تن کا میل دھونے لگے اور دوسرے پتھر کو من کا میل دھونے کا وسیلہ سمجھنے لگے۔

ندی کے کنارے کا پتھر مندر میں نصب پتھر کی قسمت ہے رشک کرنے لگا۔ ایک دن ندی کے کنارے والے پتھر نے مندر میں نصب پتھر سے پوچھا، ایک زمانے میں تو بھی میرے برابر تھا۔ یہ انسان تجھے مجھ سے تو کیا اپنے آپ سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگا۔ اور دنیا و آخرت کی ہر خوشی تجھ سے مانگنے لگا ایسا کیوں؟ تو مندر کے پتھر نے تہقہ لگا کر کہا، بیوقوف ہیں۔

ان کو پھلے اور بُرے کی پہچان نہیں۔ اصل میں انہیں تیرا  
 شکر یہ ادا کرنا چاہئے تھا۔ تو ان کا میل دھوتا ہے۔ تو ادھر  
 اور شے کا فرق نہ محسوس کرتے ہوئے سب کی گندگی برابر  
 دھوتا ہے۔ تو مجھ سے بھی جہاں ہے۔ انسان میری پہچان کرتے  
 ہیں اور میں تیرے سامنے سر جھکاتا ہوں، کیوں کہ تو کوئی  
 دھوب میں بڑا رہ کر بھی لوگوں کے کام آتا ہے۔ میں  
 چھاؤں میں رہ کر بھی، دودھ میں نہا کر بھی ان کے کچھ کام نہیں  
 آتا۔ جس خالق کائنات نے ہمیں بنایا ہے تو ان کے بندوں  
 کی خدمت کرتا ہے۔ اور میں ان کی غلط فہمی کو بھی دوزخ میں  
 کر سکتا۔ کاش تیری قسمت میری نصیب میں ہوتی!  
 (ہفتہ وار عروج ہند۔ بنگلور)

## عبرت کا نشان

ایک جگہ چن پتیہ کے پودے لگے ہوئے تھے۔ پتیہ  
 کے ایک پودے کو کسی بچے نے اوپر سے توڑ دیا۔ یہ کوئی  
 ڈیڑھ فٹ اونچا ہو گا۔ تنے کے اوپر پتیل والا حصہ ٹوٹ کر  
 بالکل لٹک گیا تھا۔ میں سمجھا کہ اب یہ سوکھ کر ختم ہو جائیگا۔  
 مگر چند دنوں کے بعد دیکھا تو جھکا ہوا حصہ کچھ اوپر  
 اٹھ گیا۔ کچھ دنوں بعد اور اچھ کر ریلوے سگنل کی طرح ہو گیا۔  
 قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ درخت اگرچہ مکمل طور پر ٹوٹ

گیا تھا، مگر ایک طرف کا ادھر ہی چھلکا باقی تھا اور ماحی کے  
سہارے وہ لٹکا رہا۔ اس ٹھیکے نے کرن کی طرف گھر سے  
درخت کو اپنی طرف کیسنا شروع کیا یہاں تک کہ اچھے اچھے  
وہ بالکل سیدھا ہو گیا۔

درخت کی یہ صلاحیت حیرت انگیز ہے۔ اس عورت کی ہر  
تھی۔ میں نے سوچا اگر درخت اگر اپنے کندہ دوبارہ اٹھا سکتا  
ہے تو کیا انسان ایسا نہیں کر سکتا؟ ہوا لانگ انسان کے اندر درخت  
سے کہیں زیادہ صلاحیت ہے۔ بلاشبہ وہ ایسا کر سکتا ہے  
بشرطیکہ وہ اپنی قوت ارادی کو استعمال کرے کتنے لوگ  
ہیں جنہیں یہ احساس ستاتا رہا کہ وہ ناکام ہیں۔ ان کی زندگی  
گمراہ ہو گئی اور وہ کچھ کر نہ سکے۔ انھوں نے اپنی عمر کو نادانی  
سے برباد کیا۔ اپنی زندگی کو سنوارنے کا جو عقیدہ وہ اپنے  
ذہنوں میں لئے ہوئے ہیں اس کو عملی شکل نہ دے سکے۔  
بے شمار افراد اس احساس کمتری میں مبتلا رہ کر خود کو جیسا  
بنا تھا ویسا بن نہ سکے۔ ایسے تمام لوگوں کے لئے پیٹھ پر  
درخت ایک عبرت کا نشان ہے۔

(الحسنات)

## بھول اور کانٹے

ایک آدمی کو گلاب کا بھول توڑنا تھا۔ وہ شوق کے تحت تیزی سے ایک شمر اس کے پاس پہنچا اور جھٹکے ساتھ ایک بھول توڑ لیا۔ بھول توڑ اس کے ہاتھ میں آگیا، مگر تیزی کے نتیجے میں کئی کانٹے اس کے ہاتھ میں چبھ چکے تھے۔ اس کے ساتھ نے کہا کہ تم نے برسی حاشیت کی تم کر جائے تمہارے کانٹوں سے بچتے ہوئے احتیاط کے ساتھ بھول توڑو۔ تم نے احتیاط والا کام بے احتیاطی کے ساتھ کیا اس کا نتیجہ دکھا کہ تمہارا ہاتھ زخمی ہو گیا۔

اب بھول توڑنے والا غصے میں آگیا اور اس نے کہا کہ سارا قصور تو ان کانٹوں کا ہے۔ جنھوں نے میری ہتھیلی کو اور میری انگلیوں کو خون آلود کیا، اور تم الٹا مجھ کو مجرم ٹھہرا رہے ہو۔ اس کا سامنا بھی بولا۔

میرے دوست، یہ درخت کے کانٹوں کا معاملہ نہیں، یہ نظام قدرت کا معاملہ ہے۔ قدرت نے دنیا کا نظام اسی طرح بنایا ہے کہ یہاں بھول کے ساتھ کانٹے ہوں۔ میری تمہاری چیز کو کاٹا لیا نہیں کر سکتی کہ اس نظام کو بدل دے۔ بھول کے ساتھ کانٹے کا یہ نظام تو بہر حال اسی طرح دغا رہے گا۔ اب میری اور تمہاری کامیابی ہمیں ہے

کہ ہم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تدبیر تلاش کریں۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ کانٹوں سے بچ کر پھول کو حاصل کریں۔ کانٹوں میں نہ الجھتے ہوئے پھول تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

پھول کے ساتھ کانٹے کا ہونا کوئی سادہ بات نہیں، فطرت کی زبان میں انسان کے لئے سبق ہے۔ یہ بتاتا ہے واقعہ کی زبان میں انسانی حقیقت کا اعلان ہے۔ یہ اس تخلیقی منصوبہ کا تعارف ہے جس کے مطابق موجود دنیا کو بنایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی اقدام کامیاب ہوتا ہے جو اعتراض کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے بنایا گیا ہو۔

جہاں بچنے کی ضرورت ہو وہاں الجھنا، جہاں تدبیر کی ضرورت ہو وہاں ایجنسی ٹینشن کرنا صرف اپنی نالائقی کا اعلان کرنا ہے۔ خدا نے جس موقع پر اعراض کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہو، وہاں الجھنے کا طریقہ اختیار کرنا خود اپنے آپ کو مجسم بنانا ہے، خواہ آدمی نے دوسروں کو مجرم ثابت کرنے کے لئے دکنشری کے تمام الفاظ دہرا ڈالے ہوں۔

(مولانا وحید الدین خاں)

## درخت سے ایک سبق

میں نے دیکھا کہ بہت دور تک چھوٹے چھوٹے درخت

ہے بھھاس میں مزہ آتا ہے۔

چشمہ نے کہا کسی کے کام میں روڑا بن جانا کونسا اچھا کام ہے میرے بہنے سے آپ کا کیا نقصان؟  
پتھر نے سختی سے جواب دیا، کام اچھا ہو یا بُرا، ناگوار خاطر گزرتا ہے تو گزرے میں اپنی جگہ سے نہ ہنٹوں گا۔ میں محروم بھی نہیں۔ میری زد میں آجائے تو پیس نہ دوں تو میرا نام پتھر نہیں۔

پتھر جانتا تھا پانی سے تیلی کوئی چیز نہیں ایسا دم خم کہاں مجھے ہٹا سکے۔ چشمہ بھی جانتا تھا پتھر کے سانسے میری کیا حقیقت ہے۔ اس نے ایک بار بھر خوشامد، لجاجت سے کہا۔ پتھر بھاتی کسی کو رستہ دیدینا بھی ایک نیکی ہے، میں عمر بھر آپ کا احسان نہ بھولوں گا۔

پتھر نے پھر سخت لہجے میں جواب دیا۔ میں نیکی کیا جانوں نیک ہوتا تو لوگ مجھے پتھر کیوں کہتے؟ اس نے یہ بھی کہا کہ دیکھو میرے منہ نہ لگو میں ہمالیہ پر بت کا پروردہ ہوں، بس اب یہ بحث ختم کرو۔

چشمہ کا پانی رک جانے سے تالاب بن گیا تھا۔ اس کو بھی پتھر کی بات برداشت نہ ہوئی، میں سمندر کا پروردہ ہوں یہ کہہ کر وہ کلیش میں آکر ایل پڑا پانی کی رستہ جاری تھی۔ اس نور کا ریلہ آیا کہ پتھر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت ہی سنہلنا چاہا مگر پانی کے تیز بہاؤ کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ مثلاً ۔



لڑھکتا ہوا بہا چلا جا رہا تھا۔ چشمے نے کہا پتھر بھائی ذرا رک  
 ہلیے، نگہ پانی کی تیز لہروں نے رکنے کا موقع ہی نہ دیا۔  
 پتھر لڑھکتا ہوا بہتا چلا جا رہا تھا۔ چشمے نے دریا کے حوالے  
 کر دیا دریا نے لے جا کر سمندر میں دھکیل دیا، سمندر اس کو ہضم  
 کر گیا۔ غرض پتھر کا سارا غرور پانی کی طرح بہہ گیا۔  
 اس لئے عقلمندوں کا مقولہ ہے جن کے مزاج مثل پتھر کے  
 سخت ہوتے ہیں وہ کامیاب بہت کم ہوتے ہیں۔

## غریبوں کی دولت

میں نے ایک بادشاہ وقت کو دیکھا کہ وہ حکومت کے  
 جاہ و جلال کے باوجود مطمئن نہ تھا۔ میں نے زور و جاہ رسہ کھیلنے  
 والے دولت مند کو دیکھا کہ ثروت اور دولت کے باوجود اسے  
 اطمینان حاصل نہ تھا۔ اور میں نے ایک با اقتدار شخصیت  
 کو دیکھا کہ ملک اور قوم میں انتہائی عزت و وقار حاصل کرنے  
 پر بھی اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار موجود تھے۔ اور  
 میں نے ایک کامیاب تاجر کو دیکھا کہ ہزار کامیابیوں کے باوجود  
 وہ غیر مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن ایک جھوٹی ٹری میں رہنے والا شکستہ  
 مال غریب شخص کو دیکھا کہ اس کا چہرہ بشاش تھا اور اس  
 کی نوری صورت کہہ رہی تھی کہ اطمینان قلب حکومت، دولت  
 اور ثروت میں نہیں ہے بلکہ اس سکون میں ہے جو صرف

غریبوں کا حصہ ہے اور شکستہ حالوں کی میراث ہے۔

## فکر معاش

وہ فکر معاش میں سرگرداں پھر رہا تھا۔ معاش کی تمام راہیں اسے مسرود نظر آرہی تھیں۔ ناکامیابی نے اسے پریشان کر دیا۔ اور وہ ناکامی کی حالت میں اپنی زندگی کو ختم کرنے کے منصوبے سوچنے لگا کہ اس کے کان میں غیبی ندا نے کہا کہ: اے نادان انسان جیسا تو گوشت و پوست کا ایک حقیر لو تھڑا تھا۔ جب تجھ میں عقل نہ تھی اور تیرے منہ میں دانیت نہ تھی کہ تو غذا چبا سکتا اس وقت ایک غیبی قوت نے تجھے کیا دودھ نہیں دیا تھا۔ جب وہ تیری بے عقلی اور مجبوری کی حالت میں دودھ سے تیری پرورش کر سکتا ہے۔ تو آج بھی وہ تیرے لئے راہیں کھول دیں گے۔ ہمت سے کام لے۔ اس کے بھروسے پر زندگی کے میدان میں آگے بڑھتا چلا جا، وہ تیرے ساتھ ہے تو فراموش کر سکتا ہے، لیکن وہ تجھے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

## اچھا سماج

کچھ لوگ اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی ان کو ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اپنی ضرورتوں سے بہت کم کما پاتے ہیں۔

اور کچھ لوگ اپنی ضرورتوں سے بہت زیادہ گمراہیت میں ہیں۔

اچھا سماج وہ ہے :

جہاں ہر ایک کو ترقی کے لئے یکساں مواقع اور آسانیاں حاصل ہوں اور ہر ایک اپنی صلاحیت اور قابلیت کے اعتبار سے کام کرنے اور کھانے کے لئے آزاد ہو۔

اس کے بعد

جنہیں ضرورت سے کم حصہ ملا ہے وہ غیر متاثر  
صابر اور شاکم ہوں۔

اور جنہیں ضرورت سے زیادہ حصہ ملا ہو وہ ممدود  
اور مختیر ہوں۔

ایسے سماج میں :

نہ مالداروں کو زیادہ مالدار ہونے کی ہوس ہوگی، اور  
نہ وہ اپنے دوسرے بھائی بندوں کی طرف سے بے غم  
اور بے خبر ہوں گے۔

اسلام ایسے ہی سماج کو ختم و تباہ ہے

یہاں غریب کھاتے پیتوں کو دیکھ کر جھجھکاتے اور  
غراتے نہیں۔ اور نہ مالدار ہمیشہ عشرت میں مال  
اڑاتے ہیں۔

ہمدردی، رفاقت، ایثار اور صبر و شکر

اسلامی سماج کی روح ہے۔

(۱۱)

## انسان کی اصلیت

کیا ہی اچھا ہوتا اگر انسان اپنی حقیقت اور اصلیت کو سمجھ سکتا۔ کیا تم نے تمہیں حقیر اور گندے پانی سے پیدا نہیں کیا۔ پھر ہم نے اس حقیر پانی کو نو مہینے شکم مادر میں محفوظ رکھا۔ غرض کہ ہم نے انسان کی پیدائش کے لئے ایک وقت اور اندازہ مقرر کیا۔ ذرا سوچو کہ ہم کیسے عمدہ اندازہ مقرر کرنے والے ہیں کہ ٹھیک اندازے پر انسان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ پل بڑھ کر جوان ہوتا ہے اور زندگی کے دن پورے کر کے چلا جاتا ہے۔ مگر ساری عمر گمراہ ہی رہتا ہے۔ پھر جب یوم حساب ہو گا اس روزانہ نافرمانوں اور تکذیب کرنے والوں کو بڑی پریشانی کا سامنا ہو گا۔

خیال اگر تم اپنی اصلیت اور حقیقت کو بھول گئے تھے تو تم نے اس زمین اور کائنات سے بھی کوئی سبق نہ لیا۔ کیا ہم نے اس زمین کو زندہ اور مردہ انسانوں کی پناہ گاہ نہیں بنایا۔ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ قائم نہیں کئے اور اسی زمین سے تمہیں میٹھا پانی نہیں پلایا اور تمہاری غذا کا بندوبست نہیں کیا۔ مگر تم سب کچھ بھول گئے۔ یہاں تک کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں اور مہربانیوں

کئی تکذیب کر رہے۔ اسی لئے روز قیامت  
اور تکذیب کرنے والوں کو بڑی پریشانی کا سامہ

(سورة المرسلات)



# اسی مصنف کی دیگر تصانیف

قیمت	مذہب کتاب	شمار
20-..	نمایاب جواہر	۱
15-..	چند باتیں (ایوانہ ڈیانتہ)	۲
08-..	مشتعل راہ	۳
15-..	حفظ القواعد	۴
15-..	نقوش راہ	۵
05-..	نہایت	۶
08-..	روشنی کے مینار	۷
08-..	در بے بہا	۸
01-50	نوری چہل احادیث	۹
10-..	شفاغ نور	۱۰
10-..	لمعات ایمانی	۱۱
12-..	مختصر تار - مخ عالم اسلام	۱۲
10-..	الانہیت کے چراغ	۱۳
08-..	نور و سن نظر	۱۴
08-..	پہلے منزل	۱۵
12-..	نور شمسِ حق	۱۶

شمار	نام کتاب	قیمت
۱۷	معیار انتخاب	زیر طبع
۱۸	پنجمیہ اسلام غیروں کی نظر میں	"
	قلکوا میں لیشن	
۱	کانتی کیا نالو	15---
۲	کانتی سکھالو	08---
۳	مانوا تادیہ پیمو	08---
۴	آسان نماذ	06-ء
۵	کفن و دفن کا طریقہ	02-50
۶	ودیا جیوتی	01-50
۷	نیتی ویلو گولو	زیر طبع



Phone : Shop 523281

# **S H A N T I** **BINDING WORKS**

**WHOLE SALE & RETAIL**  
**PAPER & BOARD**  
**MERCHANT**

**MFRS OF :**

**NOTE BOOKS, RECORDS BOOKS,**  
**REGISTERS ETC. ETC.**



**2-8-600, CHATTA BAZAR, HYDERABAD.**



